مولانا محمد جعفر پھلواروی

حافظ رزین بن معاویہ

آپ نے اکثر احادیث کے مجموعوں میں دیکھا ہوگا کہ کسی روایت یا حدیث کے ذکر کے بعد "رواہ فلان" لکھ دیتے ہیں۔ یعنی فلاں محدث نے اپنے مجموعے میں اس روایت کو نقل کیا ہے۔ مثلاً امام بخاری نے یا امام مسلم نے یا امام احمد بن حنبل نے یا طبرانی نے وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح آپ نے "رواہ رزین" بھی بارہا دیکھا ہوگا۔ لیکن یہ رزین کون ہیں؟ کیا ہیں؟ ان کا کیا مقام ہے؟ کہاں اور کس کتاب میں یہ ذکر کرتے ہیں؟ ان باتوں سے بہت کم لوگ واقف ہیں بخلاف دوسرے آئمہ حدیث کے۔ حتیٰ کہ نواب سید صدیق حسن خاںؒ نے بھی اپنی "اتحاف النبلاء" میں ان کا ذکر کوئی ڈیڑھ سطروں میں کیا ہے اور اس کی ایک خاص وجہ ہے، جسے ہم آگے بیان کریں گے۔

یہ ہیں رزین بن معاویہ بن عمار۔ کنیت ابوالحسن ہے۔ عبدالدار بن عبد مناف کی نسل سے ہیں اس لیے عبدری کہلاتے ہیں۔ گویا پانچویں پشت میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتے ہیں۔ اندلس میں ایک شہر ہے "سرقسطہ" (Saragoza) جہاں یہ پیدا ہوئے۔ اس لیے ان کو اندلسی سرقسطی کہتے ہیں۔ مذہباً مالکی تھے، اور ان کا شمار مالکیوں کے آئمہ میں ہوتا ہے۔ یوں بھی اندلس میں مالکی مذہب ہی مقبول رہا ہے۔ یہ مستقلاً مکے میں آباد ہو گئے تھے اور مکے ہی میں ۵۲۳ یا ۵۲۵ میں وفات پائی۔ مکہ معظمہ میں انھوں نے ابومکتوم عیسیٰ بن ابی ذر ہروی وغیرہ سے علم حدیث حاصل کیا۔ مالکیہ، صحاح ستہ میں سنن ابن ماجہ کو داخل نہیں کرتے۔ اس کی جگہ موطا امام مالک کو رکھتے ہیں۔ امام رزین کی ایک کتاب "کتاب فی اخبار مکہ" ہے لیکن ان کی شہرت زیادہ تر ایک اور کتاب کی وجہ سے ہے جس کا نام "کتاب التجرید فی الجمع بین الصحاح" ہے۔ نام ہی سے کتاب کی نوعیت کا پتا چل جاتا ہے۔ اس کتاب میں انھوں نے صحاح ستہ (جس میں ابن ماجہ کی بجائے موطا امام مالک ہے) کی تمام احادیث کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے اور تمام اسانید حذف کر دی ہیں۔ صرف آخری راوی کا ذکر کر کے حدیثیں

لکھ دی ہیں۔ یہ پہلی جامع اور مفید کتاب ہے جس میں صحاح ستہ کی تمام احادیث کو یکجا کیا گیا ہے۔ لیکن امام رزین کی اس مفید تالیف کی شہرت کو ایک سبب سے نقصان بھی پہنچا۔ انھوں نے اس مجموعے میں کچھ "زیادات" بھی درج کر دیں۔ یعنی ایسی روایات بھی نقل کر دیں جن کی کوئی اصل موجود نہیں اور وہ صحاح ستہ میں بھی نہیں۔ اس کے باوجود اہل علم اس کتاب کو قابلِ اعتماد سمجھ کر اس کے حوالے دیتے رہتے ہیں۔ ابن الاثیر جزری (المولود ۵۴۴ھ۔ متوفی ٦٠٦ھ) اپنی "جامع الاصول" میں کہتے ہیں کہ: "میں نے تجرید میں جو روایات ایسی دیکھیں جو صحاح ستہ میں موجود نہیں ان کو میں رزین پر اعتماد کر کے نقل کر لیتا ہوں لیکن حوالے کی جگہ خالی چھوڑ دیتا ہوں۔ کیونکہ یہ ممکن ہے کہ وہ روایت درست ہو اور ہمیں وسعتِ نظر کی کمی کی وجہ سے اس کا علم نہ ہو سکا ہو۔

متاخرین نے ان زیادات کے مآخذ بھی تلاش کر لیے ہیں۔ حاکم کی مستدرک میں، طبرانی کی معاجم کبیر و اوسط و صغیر میں یا سنن بیہقی وغیرہ میں ان زیادات میں سے اکثر موجود ہیں۔ تنقیح المشکوٰۃ کے مؤلف نے رزین کی ایسی بیشتر زیادات کا ماخذ بتا کر ان کو احسن و صحیح قرار دیا ہے۔ منذری[1] نے اپنی "ترغیب" میں رزین کی بیشتر زیادات کے متعلق لکھا ہے کہ اگرچہ یہ صحاح ستہ میں نہیں لیکن طبرانی وغیرہ میں ان کی اصل موجود ہے اور یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ رزین نے جو زیادات درج کی ہیں وہ سب کی سب موضوع ہیں۔

متاخرین اہلِ علم میں امام شوکانی رحمہ (۱۱۷۳ھ-۱۲۵۰ھ) نے امام رزین کی اس کتاب پر بڑے سخت الفاظ میں تنقید کی ہے سو وہ اپنی کتاب "الفوائد المجموعہ فی الاحادیث الموضوعۃ" میں لکھتے ہیں:

لقد ادخل رزین بن معاویۃ العبدری فی کتابہ الذی جمع بین دواوین الاسلام بلایا موضوعات لاتعرف ولایدری من این جاءبھا وذلک خیانۃ المسلمین وقد اخطأ ابن الاثیر خطأً بیناً بذکر ما زادہ رزین فی جامع الاصول ولم ینبہ علی عدم صحتہ الانادراً

رزین بن معاویہ عبدری نے اپنی اس کتاب میں جس میں انھوں نے اسلام کے دفاتر کو

---

[1] امام زکی الدین ابو محمد عبد العظیم بن عبد القوی المنذری متوفی ٦٥٦ھ

یک جا کیا ہے۔ بعض ایسی بلائیں اور موضوعات کو داخل کر دیا ہے جن کا کوئی نشان نہیں ملتا اور کچھ پتا نہیں چلتا کہ وہ کہاں سے انھیں لے آتے ہیں۔ یہ اہلِ اسلام کے ساتھ ایک خیانت ہے۔ ابن الاثیر نے بڑی سخت غلطی کی جو اپنی کتاب "جامع الاصول" میں رزین کی زیادات کو تو نقل کر دیا لیکن چند مقامات کے سوا کہیں ان کی عدمِ صحت سے آگاہ نہیں کیا۔

اب آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ نواب سید صدیق حسن خانؒ نے رزین کو کیوں کوئی خاص اہمیت نہیں دی۔ نواب صاحب امام شوکانی کے بے حد مداح اور پیرو ہیں۔ اس لیے ظاہر ہے کہ شوکانی ہی کی پیروی میں انھوں نے رزین کو کوئی خاص اہمیت نہ دی۔ وہ رزین کے بارے میں صرف اتنا لکھتے ہیں۔

ابو الحسن رزین بن معاویہ العبدری صاحب کتاب تجرید فی الجمع بین الصحاح، وفات او بعد از کمال پانصد و بیست بودہ و عبدری منسوب است بعبد الدار بن قصیٰ بطنے مشہور از قریش ہے[1] اور قاضی شوکانی پر چار صفحات سے بھی زیادہ لکھا ہے۔ قاضی شوکانی پر انھوں نے جتنا لکھا ہے صحیح لکھا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ لکھنا چاہیئے تھا۔ لیکن امام رزین پر اتنا مختصر نہیں لکھنا چاہیے تھا۔ بہتیرے آئمہ حدیث اور اہلِ علم نے امام رزین کو سراہا ہے، اور انھیں قابلِ اعتماد قرار دیا ہے۔

۱۔ ابن فرحون (ابراہیم برہان الدین عمری اندلسی (۷۱۹ - ۷۹۹ ہجری) نے الدیباج المذھب فی معرفۃ اعیان علماء المذھب میں بڑے اچھے الفاظ میں ان کا ذکر کیا ہے۔

۲۔ تقی الدین محمد فاسی (۷۷۵ - ۸۳۱ ہجری) نے العقد الثمین میں انھیں خراجِ عقیدت پیش کیا ہے

۳۔ صاحب مشکوٰۃ ولی الدین الخطیب العمری (کان حیا فی ۷۳۷ھ) نے مقدمہ مشکوٰۃ میں اور الاکمال فی اسماء الرجال میں رزین کی کتاب التجرید کو سراہا ہے اور انھیں آئمہ ثقات میں شمار ہے

۴۔ مجد الدین ابو السعادات مبارک بن الاثیر جزری (۵۴۴ - ۶۰۶ھ) نے بھی "جامع الاصول" میں کتاب التجرید کو شاندار الفاظ میں سراہا ہے اور اسے قابلِ استناد قرار دیا ہے اور خود اپنی "جامع الاصول" میں رزین ہی کے حوالے سے اکثر زیادات کو نقل کیا ہے۔

---

[1] اتحاف النبلاء ص ۲۵۱

۵۔ امام زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری (۵۸۱ ـ ۶۵۶) نے اپنی "ترغیب و ترہیب" میں رزین ہی کے حوالے سے ان کی بہت سی زیادات کو نقل کیا ہے۔

۶۔ خلف بن بشکوال (متوفی ۵۷۸ھ) نے تاریخ ائمۃ الاندلس میں ان کا ذکر خیر کیا ہے۔ ابن بشکوال اندلس کے آخری محدث ہیں۔

غرض اہل علم زیادات کے باوجود رزین کو قابل اعتماد تصور کرتے ہیں۔ رہا کچھ کمزور روایات کا اس میں موجود ہونا تو یہ کوئی ایسی بات نہیں جو رزین کی "کتاب التجرید" ہی کے ساتھ مخصوص ہو۔ حسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی (متوفی ۵۱۶ ہجر) کی کتاب جامع الاصول خاصی شہرت رکھتی ہے۔ اس کی مقبولیت کا اندازہ اس سے کیجئے کہ بیس سے زائد اس کی شرحیں لکھی گئی ہیں۔ اس کے باوجود اس میں بہت سی روایات ہیں جو پایۂ اعتبار سے ساقط ہیں۔ خود نواب صدیق حسن خاں اس کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں "در آخر باب مناقب قریش حدیثے منکر آوردہ"

اور نووی کا قول اس کے بارے میں یوں لکھتے ہیں

"در کتاب وے صحیح و حسن وضعیف و غریب و منکر ہمہ است"۔[1]

اگلے صفحے (۱۵۱) پر مصابیح کی شرح المناہج والمفاتیح کے مؤلف شیخ صدر الدین ابو عبداللہ محمد بن ابراہیم السلمی المناوی الشافعی کا یہ قول نقل کرتے ہیں۔

فوقع لعوذلک ان ذکر احادیث من الصحاح لیست فی واحد من الصحیحین واحادیث من الحسان ھی فی احد الصحیحین وادخل فی الحسان احادیث لم ینبہ علیھا وھی ضعیفۃ واھیۃ وربما ذکر احادیث موضوعۃ فی غایۃ السقوط المتناھیۃ

(یعنی اپنی یہ اصطلاح بتانے کے بعد کہ صحیح سے ان کی مراد وہ حدیث ہے جو بخاری کے باب میں اور حسان سے مراد وہ احادیث ہیں جو صحیحین میں نہ ہوں بلکہ سنن میں ہوں) یوں ہوا کہ انھوں نے کچھ ایسی احادیث کو صحاح میں شمار کر لیا جو صحیحین میں سرے سے موجود نہیں اور ایسی احادیث کو حسن قرار دیا جو صحیحین میں موجود ہیں اور حسن احادیث میں بعض ایسی روایات کو داخل کر دیا

---

[1] اتحاف النبلاء ص ۱۵۰

جو نہایت ضعیف ہیں۔ لیکن ان کے ضعف کو واضح نہیں کیا۔ اس کے علاوہ بعض ایسی موضوع حدیثوں کا ذکر کیا ہے جو پایۂ اعتبار سے بالکل ساقط ہیں۔

ہم نہیں کہہ سکتے کہ قاضی شوکانی نے صاحب مصابیح کے بارے میں وہی بات کہی ہے یا نہیں جو رزین کے بارے میں کہی ہے اور خود نواب صاحب اس کتاب کے بارے میں وہی رائے رکھتے ہیں یا نہیں جو مصابیح کے بارے میں رکھتے ہیں۔

ان تمام باتوں کے علاوہ ایک بات اور بھی سامنے رکھنی چاہیے کہ محدثین کے اصول کے مطابق اگر صحیح احادیث کی متابعت و معاضدت (تائید) میں ضعیف حدیث لائی جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ امام بخاری کی تعلیقات میں اور مسلم کی صحیح میں اور حاکم کی مستدرک میں ایسی بہت روایات ہیں جو ان کی شرط صحت پر پوری نہیں اترتیں لیکن وہ صرف اس لیے ان کو بیان کرتے ہیں کہ مقصود صرف صحیح حدیث کی تائید کرنا ہوتا ہے۔ اسی کو محدثین کی اصطلاح میں متابعت اور معاضدت کہتے ہیں۔ پس امام رزین کی زیادات کو اسی صنف میں شمار کرنا چاہیے۔

ان کے متعلق مزید تحقیق کے لیے مندرجہ ذیل کتابیں دیکھیے

سیر النبلاء (ذہبی) کتاب فی اسماء الرجال (طیبی) مرآۃ الجنان (یافعی) کشف الظنون حاجی خلیفہ الدیباج المذہب (ابن فرحون) شذرات الذہب (ابن العماد) روضات الجنات (خوانساری)